سید محمد معاویہ بخاری

دہشت گردی کی مہم کے خلاف عدم اعتماد کی عالمی تحریک

ہر ماہ اخبارات کا انبار جمع ہو جاتا ہے چنانچہ اہم خبروں کی نشاندھی کے بعد میری کوشش ہوتی ہے کہ ضروری اخبارات کی فائل بندی کر کے چھانٹی کر دی جائے۔ چند روز پہلے یہی کام کر رہا تھا۔ اور مجھے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی تین تقریروں کے متن کی تلاش بھی تھی جس میں انہوں نے اپنی نئی پالیسی کا برملا اعلان کیا ہے۔ اخبارات کی ترتیب کے دوران ہی بعض ایسی خبریں بھی نظر سے گزریں جن کی طرف پہلے توجہ نہیں ہوئی تھی۔ گزشتہ ڈیڑھ ماہ کے دوران امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے کم وبیش تین بار خطاب کیا ہے اور ان کے خطاب کے بنیادی نکات میں دہشت گردی کے خلاف جاری مہم میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے نئے کے کردار کا تعیّن، موجودہ حالات میں عراق میں امریکی و اتحادی افواج کے قیام اور مشرق وسطیٰ اور خلیجی ممالک کے لیے مستقبل کی پالیسیوں کے اعلانات شامل تھے۔ اسی عرصے کے دوران ایسی خبریں بھی ایک تواتر کے ساتھ شائع ہوتی رہیں جن میں امریکہ، برطانیہ اور اٹلی کے بعض اعلیٰ عہدیداروں اور دیگر کئی بڑی شخصیات کے بیانات شامل تھے جو عراق پر مسلط کی جانے والی جنگ کے خلاف عدم اعتماد کا کھلا اظہار تھے۔ یہ خبری مواد اس لیے بھی اہم اور قابل غور ہے کہ تمام بیانات انتہا پسند مسلمان رہنماؤں یا ان کے حمایتیوں کے نہیں بلکہ خود امریکی برطانوی رہنماؤں اور دیگر کئی عالمی تجزیہ نگاروں کے تبصروں اور میڈیا رپورٹوں پر مشتمل ہیں۔ یہ لوگ نہ تو مسلمان ہیں اور نہ ہی انتہا پسندی کا لیبل ان پر چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ صدر بش کے تقریری اقتباسات اور خبروں کے درمیان مماثلت یہ ہے کہ صدر بش دہشت گردی کے خلاف مہم کو مستقبل میں بھی نہ صرف جاری رکھنا چاہتے ہیں بلکہ ان کے مستقبل کے عزائم سے ایران وشام پر حملہ آور ہونے کی واضح نشاندھی بھی ہوتی ہے۔ جبکہ امریکی و برطانوی فوجیوں کی ایک بڑی تعداد کی ہلاکت اور اربوں ڈالرز کے وسائل بے دریغ جنگ میں جھونک دینے پر خود امریکی و برطانوی معاشروں میں شدید ردِعمل پایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ امریکی کانگریس، امریکی تھنک ٹینکس اور برسر اقتدار امریکی پارٹی ''ریپبلکن'' کے افراد بھی اپنی حکومت کی بہیمانہ پالیسیوں سے نالاں و بے زار نظر آتے ہیں۔ اسی طرح کے حالات برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کو بھی درپیش ہیں۔ دہشت گردی کے نئے قانون پر گزشتہ دنوں انہیں پارلیمنٹ میں بری طرح شکست ہوئی ہے اور اپوزیشن کے علاوہ خود ٹونی بلیئر کی پارٹی کے ارکان نے بھی ان کے خلاف نہ صرف عدم اعتماد ظاہر کیا ہے بلکہ بش بلیئر پر دہشت گردی کی مہم اور عراق جنگ کے حوالہ سے کئی سوالات اٹھائے ہیں اور سنگین الزامات بھی عائد کیے ہیں۔

صورت حال یہ ہے کہ ''واراون ٹیرر'' بے توقیر ہو رہی ہے۔ افغانستان اور عراق میں جاری جنگ کے اثرات اس طرح مرتب ہو رہے ہیں کہ امریکی اور برطانوی نوجوان فوج میں بھرتی ہونے سے کترانے لگے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق افغانستان اور عراق میں ہزاروں امریکی فوجیوں کے ہلاک وزخمی ہونے اور جنگ بے نتیجہ رہنے کے باعث امریکہ کو نئی فوجی بھرتی کے لیے شدید مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ چینی ریڈیو کی ایک رپورٹ کے مطابق ''پینٹا گون'' کی طرف سے جاری کردہ حالیہ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ مارچ 2003ء سے عراق جنگ میں اب تک ایک ہزار چھ سو بیس (1620) امریکی فوجی ہلاک اور 12 ہزار 500 سو فوجی

زخمی ہوئے ہیں۔اسی طرح افغانستان میں بھی امریکی اور اتحادی فوجیوں کی ہلاکتوں میں اضافہ ہورہا ہے اور امریکی نوجوانوں میں فوج میں بھرتی کے لیے خوف پایا جاتا ہے۔رپورٹ کے مطابق امریکہ میں 30 ستمبر تک فوج میں 80 ہزار نئی بھرتیوں کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔جو کہ اپنے ہدف سے 15 فیصد پیچھے ہے جبکہ نئے ''میرینز'' کی بھرتی کے ہدف میں 9 فیصد کمی کا سامنا ہے۔افغانستان میں تعینات بگرام ایربیس کے نائب کمانڈر ''بریگیڈیئر جنرل گریک چیمپئن'' نے اعتراف کیا ہے کہ افغانستان میں طالبان کمزور نہیں ہوئے بلکہ اتحادی افواج کو ان کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔(''نوائے وقت''23 مئی 2005ء)

ایک اور خبر میں بتایا گیا ہے کہ عراق سے واپس آنے والے امریکی فوجیوں کی اکثریت ذہنی مریض بن چکی ہے۔واپس لوٹنے والے فوجی سخت نفسیاتی دباؤ کا شکار ہیں۔''لیفٹیننٹ جولین کوڈرم'' واحد آدمی نہیں ہے جو خودکشی کرنا چاہتا ہے بلکہ عراق سے واپس آنے والے ایک لاکھ سے زائد فوجیوں کا یہی حال ہے''کوڈرم'' کا کہنا ہے کہ ڈیزل کی بو آتے ہی وہ تصور میں عراق پہنچ جاتا ہے۔عراق میں جنگ ایسی ہے کہ نہ تو حملہ آور نظر آتے ہیں اور نہ سڑک کنارے بم دھماکہ کرنے والے۔جس کی وجہ سے امریکی فوجی دہشت کا شکار ہیں۔

9/الیون کے واقعہ کو بنیاد بنا کر آغاز ہونے والی بے اصول و بے جواز ''واراون ٹیرر'' اپنے آغاز سے ہی جس طرح بے اعتبار و رسوا ہوتی آرہی ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔عالمی رائے عامہ نے متفقہ طور پر دہشت گردی کے خلاف جاری مہم کو صرف امریکی مفادات کی بیہودہ جنگ قرار دیکر اس پر عدم اعتماد کا اظہار کر دیا ہے اور گزشتہ چند ماہ کے دوران اس بداعتمادی میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔امریکہ، برطانیہ، اٹلی اور پاکستان سمیت اتحادی ممالک آج تک اپنے عوام کو یقین و اطمینان نہیں دلا سکے کہ اس وحشیانہ مہم کے نتائج مقررہ اصولی دائروں کو توڑتے ہوئے ایک خونخوار ٹولہ کی منہ زور خواہشوں کے تابع اور مسلم کش صلیبی جنگ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔صدر بش منی لینڈروں کے اس گروہ کے سرپرست کے طور پر سامنے آئے ہیں۔جس کے نزدیک پوری انسانیت کا اس کے حضور سجدہ ریز ہونا ضروری ہے اور اس خواب ناہموار کی تعبیر ملنی اس وقت تک ممکن نہیں تھی۔جب تک ایک کلمۂ توحید کی بنیاد پر مجتمع ہونے والی امت واحدہ کے پیکر لاہوتی کا ایک ایک جز الگ نہ کر دیا جاتا۔چنانچہ بوسنیا، کوسوا سے لے کر ایسٹ تیمور تک اور افغانستان و فلسطین سے لے کشمیر تک، چیچنیا، عراق، سوڈان اور پاکستان تک اس کے جسد واحد پر لگے کاری زخم بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں۔دوسری طرف اس حقیقت کا اعتراف بھی دنیا بھر میں ہونے لگا ہے کہ گزشتہ 4 سال کے دوران ہونے والے یک طرفہ ناروا ظلم اور اس کے خلاف مزاحمت میں بتدریج اضافہ ہورہا ہے امریکہ اور اس کے اتحادی اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ابھی تک تیار نہیں ہیں کہ ان کی بے لحاظ مہم جوئی نے خود ان کی راہ میں کتنے کانٹے بچھا دیئے ہیں۔واراون ٹیرر کے موجدوں کو سوچنا چاہیئے کہ آخر ان کی ایسی کونسی پالیسیاں ہیں کہ صدر بش اور ٹونی بلیئر دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی گئے ہیں وہاں کے عوام ان کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کرنے سڑکوں پر نکل آئے۔دو ہفتے قبل امریکی صدر جارج ڈبلیو بش لاطینی امریکہ کے دورہ پر گئے تھے۔ان کے وہاں پہنچتے ہی احتجاجی مظاہر شروع ہو گئے۔اسی طرح تین روز پہلے وہ جاپان کے دورہ پر پہنچے ہیں تو وہاں بھی امریکہ مخالف مظاہرے ہورے ہیں۔دہشت گردی کے خلاف جاری مہم پر اٹھنے والے بھاری اخراجات نے ان ممالک کی اقتصادیات کا بھرکس نکال دیا ہے۔کترینا Catrina اور ریٹا Reta جیسے طوفانوں نے اگر امریکی معاشیات کی طاقت کا بھرم کھول دیا ہے تو برطانیہ اور پاکستان جیسے ممالک بھی افغان، عراق جنگ اور ۸/اکتوبر کے زلزلہ سے بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔بالخصوص پاکستان کی اقتصادی ترقی

بارے انکشاف ہوا ہے کہ ہم اپنے خزانے کی جمع شدہ کل پونجی صرف کر دیں گے تو بھی زلزلہ زدگان کی بحالی ممکن نہیں ہو سکے گی اور دوروز قبل حکومتی سطح پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اگر 5.2 ارب ڈالر کی مالی امداد نہ پہنچی تو پاکستان متاثرین زلزلہ کی امداد نہیں کر سکے گا اور شاید تباہ شدہ عمارتوں کے ملبوں تلے دفن ہو جانے والوں کی مقدار برابر ہی مزید ہزاروں بدنصیب و خانماں برباد لوگ سردی کی شدت اور خوراک کی کمی کے باعث جان سے چلے جائیں گے۔

صدر بش، ٹونی بلیئر اور صدر مشرف کی ترجیحات میں ابھی تک دہشت گردوں کے خلاف مہم جوئی کا منصوبہ سرفہرست ہے اور اپنے اس منصوبے کا اعلان وہ مختلف انٹرویوز اور تقریروں میں برملا کر رہے ہیں۔ بالخصوص امریکہ بہادر کی طرف سے دہشت گردی کے الزام کے تحت شام اور ایران کے خلاف بھی محاذ کھولنے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ امریکی انٹیلی جنس اداروں کو جمہوریت کے قیام کے لیے مسلم ممالک میں عوامی بغاوت پیدا کرنے کا ٹاسک دیا گیا ہے۔ مختلف بم دھماکوں اور قتل کے واقعات کا الزام بھی مسلم ممالک کے سر اس لیے تھوپا جا رہا ہے تاکہ واراون ٹیرر جاری رکھنے کا جواز ثابت کیا جا سکے۔ ایران کے خلاف ایٹمی پروگرام کے حوالہ سے اور شام پر سابق لبنانی وزیراعظم رفیق الحریری کے الزام میں مقدمہ تیار ہو چکا ہے بلکہ تازہ ترین اطلاعات یہ ہیں کہ شام کے خلاف کسی درجہ میں عسکری کارروائی کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔

7/اکتوبر 2005ء کو ''بی بی سی ڈاٹ کام'' نے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے جارحانہ خطاب کے حصے نقل کئے تھے۔ صدر بش نے واشنگٹن میں واقع ادارے ''نیشنل انڈومنٹ فار ڈیموکریسی NATIONAL INDOMINT for Democracy میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی شدت پسندسپین سے انڈونیشیا تک ریڈیکل (انقلابی) اسلامک سامراج قائم کرنا چاہتے ہیں، امریکی صدر نے کہا یہ سوچنا خام خیالی ہوگی کہ امریکہ اپنے نقصانات کی وجہ سے عراق چھوڑ کر چلا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ جنگیں بغیر قربانی کے نہیں جیتی جا سکتیں۔ اور اس جنگ میں زیادہ وقت زیادہ قربانی اور زیادہ عزم کی ضرورت ہوگی۔ شر پسندوں کی جانب سے عراق میں کی جانے والی شورش انسانیت کے خلاف جنگ اور ان کے وسیع تر لائحہ عمل کا ایک حصہ ہے، مصر ،اردن اور پاکستان وہ ممالک ہیں جہاں شدت پسند یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے ریڈیکل سامراج کے لائحہ عمل کے تحت اقتدار پر قبضہ کر لینے کی قوت رکھتے ہیں۔

صدر بش نے امریکیوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں صبر و ہمت سے کام لینا ہوگا اور امریکی قوم کو جان لینا چاہیے کہ عراق میں بغیر فتح کے کوئی امن قائم نہیں ہوگا اور ہم یہ فتح حاصل کر کے رہیں گے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ صدر بش کے اس اہم خطاب کا مقصد ان کی انتظامیہ کی عراق پالیسی کی کم ہوتی ہوئی عوامی حمایت کو روکنا ہے..... سی این این..... یو ایس ٹوڈے اور گیلپ پول کے مطابق ۵۹ فیصد امریکی سمجھتے ہیں کہ عراق پر حملہ ایک غلطی تھی اور ۶۳ فیصد کا کہنا ہے کہ وہ چاہتے ہیں امریکہ عراق سے اپنی کچھ یا مکمل افواج واپس بلا لے (''نوائے وقت''۔ 8/اکتوبر 2005ء)

مندرجہ بالا خطاب کے 18 دن بعد 25/اکتوبر کو صدر بش نے ایک اور خطاب میں بھی کم و بیش یہی الفاظ دہرائے..... امریکی افواج کے افسران سے خطاب کرتے ہوئے صدر بش نے اعلان کیا کہ پاکستان، سعودی عرب اور مصر انتہا پسندوں کے ٹارگٹ پر ہیں۔ شام نے عالمی مطالبات تسلیم نہ کیے تو آخری حل جنگ ہوگا۔ صدر بش نے کہا کہ انتہا پسند اسلام اور انسانیت کے دشمن ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ کو بیروت اور موگا دیشو کی طرح عراق سے بھی نکالا جا سکتا ہے لیکن ہم مشن مکمل کئے بغیر عراق نہیں

چھوڑیں گے۔صدر بش نے فوجی افسران کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ انتہا پسندوں کے راستے میں رکاوٹ ہے۔وہ امریکہ کو وہاں سے نکال کر وہاں پیدا ہونے والے خلا سے فائدہ اٹھا کر ملک پر تسلط حاصل کرنا چاہتے ہیں۔تا کہ اپنے نفرت کے نظریہ کو فروغ دے سکیں۔انتہا پسند اسلام کے خلاف امریکہ کی جنگ کا پراپیگنڈہ کرتے ہیں لیکن افغانستان،عراق، پاکستان، انڈونیشیا اور کسووا کے مسلمانوں کو بچانے کے لیے امریکی تعاون کا ذکر نہیں کرتے۔انتہا پسندوں کا نظریہ اس صدی کا سب سے بڑا چیلنج ہے۔جس طرح کمیونزم پچھلی صدی میں بڑا چیلنج تھا۔انتہا پسند اسلام کو صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔، پاکستان، سعودی عرب اور مصر ان کے ٹارگٹ ہیں جہاں وہ اپنے مقاصد کے لیے کارروائی کرتے ہیں۔ہم پاکستان میں عسکریت پسندوں کو الگ تھلگ کرنے میں صدر مشرف کی مدد کر رہے ہیں۔صدر بش نے ایران و شام کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردوں اور ان کے حامیوں میں کوئی فرق نہیں۔اور انہیں دہشت گردوں کی مسلسل مدد کا جواب دینا ہوگا۔اقوام متحدہ کو شام اور اس کی قیادت کی جانب سے دہشت گردی کی حمایت اور لبنان کے سابق وزیر اعظم رفیق الحریری کے قتل پر اس کے خلاف کارروائی کرنی چاہیے۔(''نوائے وقت''۔26/اکتوبر 2005ء)

مندرجہ بالا خطاب کے ٹھیک 16 دن بعد امریکی صدر نے ورجینا میں یو ایس ویٹرنز.U.S. Wetrans سے خطاب کیا اور کم و بیش 7 اور 25/اکتوبر کی تقریروں کا اعادہ ہی کیا۔اس (ٹیکسٹ بک) خطاب کے بارے میں بھی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ امریکی صدر اپنی گرتی ہوئی ساکھ بچانے کے لیے پریشان ہیں معروف امریکی صحافی تھامس ڈیل Thomis Del کے مطابق صدر بش کا ہیجان انگیز خطاب دراصل ان کے نروس ہونے کا ثبوت ہے۔عراق پر حملہ کی پالیسی اور کترینا اور ریٹا جیسی قدرتی آفات نے بش حکومت کے اقدامات کو مشکوک بنا دیا ہے' صورت حال یہ ہے کہ اب صدر بش کی جانب سے اعلیٰ عہدوں کے لیے نامزد کردہ افراد بھی قبول نہیں کیے جا رہے۔صدر بش نے اپنی قانونی مشیرہ 60 سالہ ہیرٹ میئرز Harrete Myers کو سپریم کورٹ کا جج مقرر کیا تھا' ہیرٹ میئرز وہائٹ ہاؤس کی قانونی مشیر ہیں مگر انہوں نے جج کے عہدے پر کبھی کام نہیں کیا تھا۔صدر بش نے ہیرٹ میئرز کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہیرٹ نے اپنی زندگی قانون کی حکمرانی کے لیے وقف کر رکھی ہے لہذا اسی بنا پر بطور جج ان کا انتخاب کیا گیا ہے لیکن صدر بش کی اپنی پارٹی ریپبلکن کے ارکان نے ہی ہیرٹ میئرز کی تقرری کے اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا۔

(''نوائے وقت''5/اکتوبر 2005ء)

چنانچہ بعد ازاں جان رابرٹس Jhon Roberts کو نیا جج مقرر کیا گیا۔صدر بش کے لیے اپنی نامزد کردہ شخصیت کا مسترد کیا جانا ایک جھٹکے سے کم نہیں تھا۔اس واقعہ کے بعد نائب صدر ڈک چینی کے دست راست مستعفی ہو گئے۔ان پر متعدد الزامات عائد کیے گئے تھے جن میں سرفہرست یہ تھا کہ انہوں نے سی آئی اے کے اہلکاروں کو بے نقاب کر دیا تھا۔تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی ممالک جو دہشت گردی کی مہم میں آج بھی دنیا بھر کی مخالفت کے باوجود ڈٹے ہوئے ہیں۔انہیں اپنے مخالفین سے سخت خطرات لاحق ہیں۔چنانچہ امریکہ سمیت اس کے اتحادی ممالک کے سربراہ کسی مخالف آواز کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ان کی خواہش ہے کہ ان کی کابینہ کے افراد اور کانگریس و پارلیمنٹ کے دیگر ارکان بھی ان کے ہمنوا بن جائیں۔بصورت دیگر ان کے خلاف کوئی نہ کوئی سکینڈل کھڑا کر دیا جاتا ہے۔امریکہ برطانیہ اور پاکستان میں کئی واقعات ایسے رونما ہو چکے ہیں جن میں مخالف رائے رکھنے والے قریبی ساتھیوں کو بھی عتاب جھیلنا پڑا ہے۔مزید یہ کہ صدر بش ٹونی بلیئر اور صدر مشرف کے خطاب

میں کم وبیش ایک ہی جیسے الفاظ، دھمکیوں اور دعوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جو ایک خاص نفسیاتی رخ کی نشاندھی کرتے ہیں۔ دوسری طرف عالمی سطح پر دہشت گردی کی مہم کے خلاف ایک تسلسل سے ردعمل سامنے آرہا ہے خاص طور پر برطانیہ میں ٹونی بلیئر کو شدید مزاحمت کا سامنا ہے۔ گزشتہ برس سابق امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے بش کابینہ میں دوبارہ شمولیت سے معذرت کرتے ہوئے استعفیٰ دے دیا تھا۔ واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق کولن پاؤل صدر جارج ڈبلیو بش، نائب صدر ڈک چینی اور وزیر دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ کی جنگجویانہ پالیسیوں سے متفق نہیں تھے۔ اور انہوں نے امریکہ صدر پر واضح کر دیا تھا کہ اگر انتخابات میں کامیاب ہونے کے بعد امریکی پالیسیوں میں تبدیلی نہ کی گئی تو وہ ان کے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کولن پاؤل صدر بش کو پالیسیوں میں تبدیلی پر آمادہ نہ کر سکے اور خاموشی کے ساتھ منظر سے ہٹ گئے۔ چند ماہ قبل کولن پاؤل نے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے بڑی افسردہ لہجہ میں کہا کہ سلامتی کونسل کے اجلاس میں عراق کے خلاف جھوٹے ثبوتوں پر مشتمل دستاویزات پیش کرنے پر وہ شرمندہ ہیں۔ کولن پاؤل نے کہا یہ واقعہ میرے کیریئر پر ایسا داغ ہے۔ جو کبھی دُھل نہیں سکے گا۔ کولن پاؤل نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ہماری تمام پالیسیاں درست سمت میں جارہی ہیں۔ بالخصوص عراق کے بارے میں ہمیں اپنے نقطۂ نظر کو بدلنا چاہیے۔

سابق برطانوی وزیر خارجہ رابن کک جو بلیئر حکومت سے علیحدگی اور وزارت خارجہ کے بڑے عہدے سے مستعفی ہوجانے کے بعد متعدد بار صدر بش اور وزیراعظم ٹونی بلیئر کی پالیسیوں پر سخت تنقید کر چکے ہیں۔ 12/جولائی 2005ء کو بی بی سی ورلڈ ٹو نائٹ B.B.C. World to Night کے ساتھ انٹرویو میں گفتگو کرتے ہوئے رابن کک نے کہا ''میرے خیال میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جو اقدامات اب تک کیے گئے ہیں وہ صدر بش کی ناسمجھی کی وجہ سے ہوئے ہیں' انہوں نے پیچیدہ معاملات کو سمجھنے میں شدید غلطی کی ہے۔ یہ فہم وادراک کا مسئلہ ہے لیکن صدر بش دہشت گردی کے خلاف طاقت سے نمٹنے کی بات کرتے ہیں۔ میرا نہیں خیال کہ دہشت گردی سے نمٹنے کا واحد حل فوجی طاقت ہے بلکہ اس کے بنیادی اسباب کا حل تلاش کرنا ضروری ہے۔ رابن کک نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ سے دہشت گرد تو علیحدہ ہو چکے ہیں لیکن بش انتظامیہ کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلم معاشروں میں افراتفری اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ (''نوائے وقت'' 13/جولائی 2005ء)

2 اکتوبر کو برطانوی فوج کے سربراہ'' جنرل سر مائیکل واکر'' (G. Sir Michale Walkar) نے برطانوی اخبار'' سنڈے ٹائمز'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ عراق پر حملے کے بارے میں وزیراعظم ٹونی بلیئر کے فیصلہ کا ساتھ دینے پر (عوام میں) برطانوی فوج کو مجرم تصور کیا جارہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں آرمی کا مورال اور بھرتی کا کام بری طرح متاثر ہوا ہے۔ چیف آف دی ڈیفنس آف سٹاف'' جنرل مائیکل واکر'' نے کہا کہ برطانیہ اور امریکہ کو اس جنگ کے کسی مکمل نتیجے سے کم تر پر اکتفا کرتے ہوئے کوئی راستہ نکالنا ہوگا۔ مائیکل واکر نے کہا کہ مارچ 2003ء میں صدام حکومت کے خاتمے کے لیے جب عراق پر امریکی حملے میں شمولیت کا فیصلہ کیا گیا تو اس فیصلہ کو برطانوی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں تھی۔ جبکہ ہمیں یہی بتایا گیا تھا کہ اس فیصلہ کو عوام کی حمایت حاصل ہے۔ لیکن اب صورت حال بدل چکی ہے اور ہم ایک ایسی جنگ میں شامل ہونے پر ندامت محسوس کرتے ہیں۔ جسے پورے ملک کے عوام کی حمایت حاصل نہ ہو۔ مائیکل واکر سے پوچھا گیا کیا (امریکی و برطانوی دعوؤں کے مطابق) یہ جنگ جیتی جاسکتی ہے؟ انہوں نے جواب دیا جنگ جیتنے کا لفظ ہی غلط ہے۔ البتہ صورتحال کے حوالہ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا آدھا گلاس

بھرا ہوا ہے۔ سنڈے ٹائمز نے آدھا گلاس بھرا ہے کے ریمارکس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایسا لگتا ہے جیسے عراق کے بارے میں برطانیہ کے پرجوش عزائم اب ٹھنڈے پڑ گئے ہیں۔ (''نوائے وقت'' 3/اکتوبر 2005ء)

سابق برطانوی وزیر مائیکل مچر Michale Micher نے ایک اخبار میں لکھے گئے اپنے مضمون میں انکشاف کیا ہے کہ گیارہ ستمبر کے واقعات میں ملوث افراد کا تعلق امریکی و برطانوی خفیہ ایجنسیوں سے تھا۔ (''نوائے وقت'' 3/اکتوبر 2005ء)

امریکی سینیٹر ایڈورڈ کینیڈی نے صدر بش کے 7 اکتوبر کے خطاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ سپین وانڈونیشیا تک انقلابی اسلامی خلافت قائم کرنے کے شدت پسندوں کے نظریے کے بارے میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کی دی گئی وارننگ کا مقصد عراق میں امریکی افواج اور بش انتظامیہ کی عسکری پالیسیوں کی ناکامیوں کو چھپانا اور عوام کی کم ہوتی ہوئی حمایت و تائید کو پھر سے بہتر بنانا ہے۔ اور اپنی قیادت پر امریکی عوام کے اعتماد کو فروغ دینا ہے۔ سینیٹر ایڈورڈ کینیڈی نے کہا عراق میں ہماری فوج کی موجودگی ایک اچھا فیصلہ نہیں ہے۔ سینٹ کے اقلیتی قائد ''ہیری ریڈ'' کا کہنا ہے کہ صدر بش لگاتار جھوٹے دعوے کر رہے ہیں کہ عراق جنگ اور گیارہ ستمبر کے سانحہ کے درمیان ایک ربط ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کوئی ربط پہلے رہا نہ اب موجود ہے۔
(''نوائے وقت'' 10/اکتوبر 2005ء)

امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن کہتے ہیں کہ عراق ایک دلدل جیسا دکھائی دے رہا ہے۔ برطانیہ کے لبرل ڈیموکریٹ رہنما چارلس کینیڈی Charles Canady کا کہنا ہے کہ وزیراعظم ٹونی بلیئر کو عراق سے برطانوی افواج کا انخلاء فوراً شروع کر دینا چاہیے۔ سکاٹش پارٹی کی موسم خزاں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے چارلس کینیڈی نے کہا عراق میں برطانوی افواج کی موجودگی مسئلے کا حل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بلیئر حکومت کا یہ خیال بالکل بے معنی ہے کہ جو کچھ عراق میں ہو رہا ہے اس کے اثرات باہر نہیں پہنچیں گے۔ عراق پر قبضہ ایک خوفناک غلطی تھی۔ (''نوائے وقت'' 10/اکتوبر 2005ء)

ایک برطانوی نشریاتی ادارے کی جانب سے کیے گئے سروے کے مطابق کے ایک تہائی شہری اس حق میں ہیں کہ برطانوی فوج کو فوری طور پر عراق چھوڑ دینا چاہیے۔ 75 فیصد برطانوی شہریوں کی رائے ہے کہ عراق کے خلاف جنگی کارروائی میں برطانیہ کا امریکہ کا ساتھ دینا غلط تھا اور وہ اس کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ (''نوائے وقت'' 14/اکتوبر 2005)

زمبابوے کے صدر ''رابرٹ موگابے'' نے بش بلیئر پالیسیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے امریکی صدر بش اور برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر دونوں ناپاک ہیں دونوں ہزار سال کی تاریخ کے بدترین حکمران ہیں۔ صدر موگابے نے کہا کیا ہمیں ان دونوں کو اپنی مرضی کرنے کی اجازت دینی چاہیے؟ جنہوں نے ایک بے گناہ ملک کے خلاف ہٹلر اور مسولینی کی طرح بدترین اتحاد تشکیل دیا۔ (''نوائے وقت'' 19/اکتوبر 2005ء)

سابق امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل کے چیف آف سٹاف اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں 16 سال تک خدمات سرانجام دینے والے ''لیری ویلکرسن'' نے ''نیو امریکن فاؤنڈیشن واشنگٹن تھنک ٹینک'' سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ امریکی نائب صدر ڈک چینی اور وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ امریکہ کی فارن پالیسی کو ہائی جیک کر چکے ہیں۔ وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس بھی جس کے صدر بش کے ساتھ بے تکلفانہ تعلقات ہیں مسائل کی جڑ ہے۔ لیری ویلکرسن کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کی وجہ سے امریکہ بہت زیادہ کمزور اور بین الاقوامی برادری میں بالکل تنہا رہ گیا ہے۔ ڈک چینی اور رمزفیلڈ جو پالیسیاں بناتے ہیں' اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ان پالیسیوں پر

ہی عمل پیرا ہے۔صدر بش کو اپنے ملک سے کوئی دلچسپی نہیں۔وہ ایک کاؤبوائے شخص ہے'لیری ویلکرسن نے مزید کہا کہ اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے کہ بش کے دور اقتدار میں امریکہ نے کہا کھویا اور کیا پایا ہے تو میں کہوں گا کہ کھویا ہی کھویا ہے پایا کچھ نہیں۔سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ پر قابض ان دونوں افراد (ڈک چینی اور رمز فیلڈ) کے خفیہ فیصلوں کی وجہ سے آج امریکہ ایسے نتائج بھگت رہا ہے اور اس کے اثرات امریکی عوام پر ہی پڑ رہے ہیں۔ہر طرف مایوسی کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔لیری ویلکرسن کے بقول نارتھ کوریا، ایران اور عراق کے ایشوز پر اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے درمیان واضح کھچاؤ موجود ہے۔جو لوگ اپنی من مانیوں کی بنا پر فیصلے کر رہے ہیں۔ان کی کارکردگی تو دیکھیے کہ انہوں نے ابوغریب جیل میں قیدیوں کے ساتھ کس طرح غیر انسانی سلوک کیا۔یہ واقعہ ایسے ہی نہیں ہوگیا تھا بلکہ بش انتظامیہ نے فوجیوں کو گرین لائٹ دے رکھی ہے اور وہ اس طرح کی کارروائیاں کرتے ہیں۔بش انتظامیہ نے امریکی افواج کو تھکا دیا ہے اور اب ان کا مورال دن بدن گھٹتا جا رہا ہے۔(''نوائے وقت'' 22/اکتوبر 2005ء)

عراق میں ایٹمی اسلحہ کی تحقیقات کرنے والے اقوام متحدہ کے سابق اسلحہ انسپکٹر ''ہانس بلکس'' نے کہا ہے کہ: ''بش انتظامیہ نے عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے اسلحہ کی موجودگی کی بات عراق پر حملے کے بعد کی اور یہ بات غلط ثابت ہوگئی۔انہوں نے کہا وہ یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ بش انتظامیہ نے جان بوجھ کر عوام کو گمراہ کیا اور انہیں غلط باتیں بتائیں۔انہوں نے نہ صرف خود کو دھوکہ دیا بلکہ دنیا کو بھی عراق میں وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی موجودگی کا رونا رو کر گمراہ کیا۔ہانس بلکس نے اخبار نویسوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کہا کہ عراق میں تباہی پھیلانے وائے ہتھیاروں کی موجودگی کے بارے میں جو سیٹلائٹ تصاویر دکھائی گئیں اور صدام کے منحرف اعلیٰ افراد کے بیانات ان ہتھیاروں کی موجودگی کے بارے میں ثبوت کے طور پر پیش کیے گئے وہ مستند نہیں تھے۔اور نہ ہی ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا تھا کہ عراق کے پاس W.M.D. موجود ہیں لیکن امریکی انتظامیہ نے جان بوجھ کر غلط نتائج اخذ کیے اور ان کی بنیاد پر دنیا کو بے وقوف بنایا۔(''نوائے وقت'' 24/اکتوبر 2005ء)

معروف برطانوی اخبار ''سنڈے ٹائمز'' نے اپنی ایک رپورٹ میں بتایا ہے کہ وزیر اعظم ٹونی بلیئر کی انسداد دہشت گردی کی پالیسیاں ناکام ہو رہی ہیں اور بعض پالیسیاں ایسی ہیں جو حقائق سے مطابقت نہیں رکھتیں۔(''نوائے وقت'' 24/اکتوبر 2005ء)

عراق جنگ میں ہلاک ہونے والے ایک برطانوی فوجی 19 سالہ'' فوزیلیئر گورڈن جینٹل'' کی ماں روز جینٹل (Rose Gentle) نے ڈاؤننگ سٹریٹ پر لیبر پارٹی کے رکن پارلیمنٹ کلیئر شارٹ (Clear Short) کو ایک خط لکھا ہے۔جس میں کہا گیا ہے کہ ایک اور فوجی کی ہلاکت نے عراق جنگ کے مخالفین کے غصہ کو اور بڑھا دیا ہے۔روز جینٹل نے کہا کہ ٹونی بلیئر کو اپنی غلطی محسوس کرنی چاہیے۔عراق میں جیسے جیسے ہمارے فوجیوں کی ہلاکتیں بڑھتی جائیں گی' ہمارے غصے میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ہلاک ہونے والے برطانوی فوجی کی ماں نے کہا کہ جب بھی ٹیلی ویژن کی طرف رخ کرو' کسی نہ کسی فوجی کی ہلاکت کی خبر نشر ہو رہی ہوتی ہے جو آپ کو یاد دلاتی ہے کہ آپ کے بیٹے بھی ہلاک ہو رہے ہیں۔(''نوائے وقت'' 24/اکتوبر 2005ء)

30/اکتوبر کو اٹلی کے وزیر اعظم ''سلویورلسکونی'' (Sloeuor Lisconi) نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ انہوں نے صدر بش کو بار بار سمجھایا تھا کہ وہ عراق پر حملہ نہ کریں کیونکہ انہیں اس پر کبھی یقین نہیں تھا کہ عراق میں جمہوریت لانے کا بہترین طریقہ طاقت کا استعمال ہوگا۔یاد رہے کہ لیسکونی کی حکومت نے عراق پر حملہ کرنے کے لیے اتحادی افواج کے ہمراہ اپنی فوج نہیں بھیجی تھی۔(''نوائے وقت'' 31/اکتوبر 2005ء)

عالمی ایٹمی توانائی ادارے کے سربراہ محمد البرادی نے کہا ہے کہ ہم ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں ملنے والی رپورٹوں پر بڑی احتیاط سے کام لے رہے ہیں کیونکہ اس سے پہلے عراق کے ایٹمی اسلحہ کے بارے میں تیارہ کردہ رپورٹوں میں ہمیں غلط معلومات فراہم کی گئی تھیں۔(''نوائے وقت''9 نومبر 2005ء)

ایک اور خبر کے مطابق آسٹریلوی فوجیوں نے افغانستان میں مزید ڈیوٹی دینے سے انکار کردیا ہے اور وطن واپس چلے گئے ہیں جبکہ فرانس نے اپنے جنگی طیارے افغانستان سے واپس منگوالیے ہیں۔(''نوائے وقت''11 نومبر 2005ء)

معروف امریکی جریدے ''نیوز ویک'' کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کو آج کل شدید اندرونی و بیرونی مسائل کا سامنا ہے اور امریکی صدر کی ان مشکلات کو یورپ اور ایشیاء کے اخبارات بڑے واضح طریقے سے شائع کررہے ہیں۔صدر بش کے خلاف ہونے والے اجتماعی مظاہروں کو بھی میڈیا میں خصوصی کوریج دی جارہی ہے۔امریکی جریدے ''نیوز ویک'' نے صدر بش کے مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہیں چاہیے کہ تشدد پر مبنی تمام فیصلے فوری طور پر ختم کردیئے جائیں۔''نیوز ویک'' کے مطابق 9 ستمبر کے بعد طاقت کے اندھے استعمال اور قیدیوں سے غیر انسانی سلوک کے بعد صدر بش اور ان کی حکومت کا امیج عالمی سطح پر مزید خراب ہوا ہے۔''نیوز ویک'' کے مطابق تشدد نفرت کو جنم دیتا ہے۔اس لیے امریکی صدر کو چاہیے کہ وہ اپنی پالیسیوں پر نظر ثانی کریں۔(''نوائے وقت''11 نومبر 2005ء)

امریکہ کے سابق صدر ''جمی کارٹر'' نے کہا ہے کہ صدر بش کی جنگجویانہ پالیسیاں امریکی اقدار کے یکسر منافی ہیں اور میں اس صورت حال پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ان خیالات کا اظہار سابق صدر جمی کارٹر نے اپنی نئی کتاب ''ہماری اقدار کو خطرہ'' میں کیا ہے۔جمی کارٹر کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کتاب نہ چاہتے ہوئے بھی اس لیے لکھی ہے کہ صدر بش امریکی اقدار کو جس بری طرح پامال کررہے ہیں اس پر وہ مزید خاموش نہیں رہ سکتے۔سابق صدر نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ امریکی اقدار کی بنیاد امن ہے۔پیشگی حملہ کرنا نہیں۔اس سلسلے میں ہم اس وقت کا انتظار بھی نہیں کرتے۔جس میں یہ جانا جاسکے کہ واقعی امریکہ کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ہم اب امریکی اقدار کے منافی یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہماری نئی پالیسی ایک ملک پر حملہ کرنا اور اسے بمباری کا نشانہ بنانا ہے۔سابق صدر نے کہا کہ امریکی اقدار میں دوسری اہم چیز انسانی حقوق ہیں۔کئی عشروں سے ہم جنیوا کنونشن کی حمایت کررہے ہیں۔جن میں کہا گیا ہے کہ ہم قیدیوں پر تشدد نہیں کریں گے۔مگر اب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے سینیٹرز قیدیوں پر تشدد کے حق میں ووٹ دے رہے ہیں اور یہ بات ناقابل تصور ہے کہ امریکہ میں یہ بھی ہوسکتا ہے۔(''نوائے وقت''14 نومبر 2005ء)

قارئین محترم! مندرجہ بالا خبروں سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ دہشت گردی کے خلاف جاری بے اعتبار مہم آخر کار ایک شرمناک انجام سے دوچار ہونے جارہی ہے اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اب برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر بھی مجبوراً کہہ رہے ہیں کہ عراق سے برطانوی فوج کے انخلاء کا فیصلہ ایک مستحسن اقدام ہوگا۔(''نوائے وقت''16 نومبر 2005ء)

دوسری طرف امریکی سینٹ نے بھی اپنے متفقہ اعلامیہ میں کہا ہے کہ عراقی سیکورٹی فورسز اگلے سال تک عراق کا انتظام سنبھال لیں تاکہ امریکی افواج کی مرحلہ وار واپسی کا سلسلہ شروع ہوسکے۔(ٹی وی نیوز 16 نومبر 2005ء)